ولایت علی خان عزیز اللہ عزیز صفی پوری کی فنی اور فکری جہات—ایک تجزیاتی مطالعہ

محمد آفتاب عالم

ریسرچ اسکالر، شعبہ فارسی، بی آر اے بہار یونیورسٹی مظفر پور، بہار

ڈاکٹر سید عباس شاہ

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ فارسی، بی آر اے بہار یونیورسٹی مظفر پور، بہار

تلخیص:

ہر دور میں ایسی شخصیات جنم لیتی رہیں جنھوں نے زبان وادب کی نمایاں خدمات کیں، بلکہ ماضی کے مقابلے میں انھوں نے سرمایۂ ادب میں اضافات کا کام کیا ہے۔ ایسی ہی باکمال شخصیات میں ولایت علی خان عزیز اللہ عزیز صفی پوری کا نام آتا ہے۔ آپ کے آبا و اجداد صاحب قلم، انشا پرداز اور صاحب منصب حضرات تھے۔ اصلا قنوج کے رہائشی تھے، مگر انھیں میں سے ایک بغرض ملازمت نوابان اودھ کے دربار سے لکھنؤ میں وابستہ ہو گئے اور پھر وطن قنوج سے لکھنؤ منتقل ہو گیا۔ آپ نے تعلیم و تربیت لکھنؤ میں پائی اور اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنیاد پر علم و فن اور زبان وادب پر ایسی دست رس حاصل کی کہ اس دور کے تمام ترا کابر ادبا نے آپ کی فنی خوبیوں کا اعتراف کیا۔ آپ نے شعر وادب کی مختلف اصناف ادب پر خامہ فرسائی کی جس سے آپ کی کثیر الجہات فنی کمالات کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس مقالے میں آپ کی انھیں مختلف ادبی جہتوں کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے تاکہ ایک ایسی شخصیت کو جس کے معترفین میں اس عہد کے تمام ترا کابر ادبا شامل تھے، دوبارہ اہل علم کے درمیان متعارف کرایا جا سکے اور انھیں موجودہ ادبی منظر نامے میں وہ جگہ دلائی جا سکے جو انھیں واقعی ملنی چاہیے تھی۔ آپ نے نہ صرف ادبی شہ پارے تخلیق کیے ہیں، بلکہ ادب کو ایک نئی سمت و رفتار بھی دی ہے۔ متقدمین کی کاوشوں سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے بعد والوں کے لیے ایک مشعل جلائی ہے جس کی روشنی سے اردو اور فارسی دونوں ادب بقعہ نور بنے ہوئے ہیں۔ آپ شاعر ہونے کے ساتھ بہترین انشاء پرداز، اعلی سیرت نگار، اسلوب ساز تذکرہ نگار اور عمدہ خود نوست نگار تھے۔ ان کے علاوہ مذہبی موضوعات پر بھی آپ نے خاصہ لکھا ہے۔ خصوصاً عقائد پر آپ کی کتاب "عقائد العزیز" اعتدال پسندی اور مذہبی وسیع الفکری کی بولتی تصویر ہے۔

کلیدی الفاظ:- زبان و ادب - فنی جہات - اعتراف - لکھنؤ- سیرت - سوانح- خود نوست -تذکرہ- شاعری- انشاء- تصوف -نعت -منقبت -مرثیہ

صوبہ اتر پردیش کی راجدھانی لکھنؤ کی آبادکاری اگر چہ شہنشاہ اکبر کے زمانے میں ہوئی، لیکن اسے علمی مرکزیت اس وقت حاصل ہوئی جب سترہویں صدی میں علمائے فرنگی محل نے علوم شرقیہ کا عظیم الشان ادارہ قائم کیا۔ اس ادارے کے فارغین کے علاوہ مختلف جگہوں سے صاحبان علم وفضل کی آمد نے اس شہر کی علمی فضا کو مزید رونق بخشی۔ اس پر مستزاد نوابان اودھ کی سرپرستی نے اس کو تہذیب و تمدن اور علم وآگہی کا نمایاں اور منفرد مرکز بنادیا۔ فکر و شعور اور علم وآگہی کی اسی فضا میں ایک ایسی ہستی نے بھی تعلیم وتربیت پائی جسے ان کے معاصرین ادبا نے "مغتنمات زمانہ" میں شمار کیا جسے علمی دنیا ولایت علی خان عزیز اللہ عزیز صفی پوری (۱۸۴۳ء-۱۹۲۸ء) کے نام سے جانتی ہے۔

ولایت علی خان عزیز اللہ عزیز صفی پوری کے والد منشی یحیی علی خان کی شادی صفی پور، ضلع اناؤ کے شیخ محبوب عالم صفوی (از مخدوم زادگان صفی پور) کی صاحب زادی سے ہوئی تھی جن کے بطن سے ولایت علی خان اپنے ننہال میں پیدا ہوئے۔ لیکن، تعلیم و تربیت کا سارا معاملہ لکھنؤ میں مکمل ہوا جو طویل ملازمت (نوابان اودھ کے دربار سے انسلاک) کی وجہ سے آپ کے آباواجدا کا وطن ثانی بن چکا تھا۔ تعلیمی سلسلہ ابھی جاری ہی تھا کہ ۱۸۵۷ء کی پہلی ناکام جنگ آزادی/غدر کا اثر تمام ہندوستان کے ساتھ لکھنؤ میں بھی نمایاں دیکھنے کو ملا۔ انگریزوں نے لکھنؤ کو بری طرح برباد کیا جس کی وجہ سے ولایت علی خان اپنے والد منشی یحیی علی خان کے ساتھ اپنے ننہال صفی پور منتقل ہو گئے اور ہمیشہ کے لیے صفی پور ہی کے ہو کر رہ گئے۔

نام و نمود سے دور مدینۃ الاولیا صفی پور کے ایک گوشے میں بیٹھ کر ولایت علی خان نے زبان و ادب کی جو خدمات انجام دی ہیں اس کی مثال نہیں ملتی۔ آپ نے نہ صرف اصناف شاعری میں اپنے جذبات و کیفیات کا اظہار کیا ہے، بلکہ اصناف نثر میں بھی خوب داد دی ہے۔ آپ کی جملہ قلمی خدمات کو سامنے رکھا جائے تو آپ کی ذات ایک ایسی قدآور شخصیت کے طور پر ابھر کر سامنے آتی ہیں جن میں مختلف علمی اور فنی جہتیں سمٹ کر یکجا ہو گئی ہیں۔ درج ذیل مقالے میں آپ کی انھیں فنی جہتوں کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

بحیثیت شاعر

ولایت کے اندر شعر گوئی کا پہلا ذوق اس وقت پیدا ہوا جب وہ لکھنؤ میں زیر تعلیم تھے۔ اس حوالے سے خود ہی لکھتے ہیں:

"لکھنؤ میں میرے پڑھنے کی جگہ اور جناب والد ماجد کے بیٹھنے کی جگہ پاس پاس تھی اور ان کی صحبت میں ہر قسم کی باتیں تھیں۔ ایک دن ہفت بند کاشی کے اشعار پڑھے گئے۔ مجھ کو ایسے اچھے معلوم ہوئے کہ کچھ غلط کچھ صحیح گیارہ شعر اسی طرح کے موزوں کیے، پھر نہ کہہ سکا اور ان شعروں کو چھپائے رکھا۔ پہلا ذوق یہ تھا"۔

ولایت نے عربی، اردو اور فارسی تینوں زبانوں میں طبع آزمائی کی ہے۔ لیکن، اصلاح صرف فارسی شاعری میں لی وہ بھی صرف مرزا اسد اللہ خان غالب سے۔ جب کہ اردو اور عربی میں کبھی کسی سے کوئی اصلاح نہیں لی۔ اردو اور بعض عربی نظم کے ساتھ

ان زبانوں میں جو نثر لکھی اس میں بھی فطری صلاحیتوں کے علاوہ کوئی ان کا استاد نہیں رہا۔ ولایت کا اردو شعری سرمایہ بھی کچھ کم نہیں ہے، لیکن فارسی شاعری میں جن بلندیوں، عظمتوں اور وسعتوں کو چھوتے نظر آتے ہیں وہ شان ہی کچھ اور ہے۔

ولایت نے حمد، نعت، منقبت، قصیدہ، مثنوی، غزل، تضمین، ترجیع بند، ترکیب بند، خمسہ، مسدس، رباعی، قطعہ، قطعہ تاریخ، مرثیہ اور نوحہ جیسے اصناف نظم میں داد سخن دی ہے اور خوب دی ہے۔ آپ کی صحبت بچپنے سے صوفی بزرگوں سے رہی اور جب غدر کے بعد لکھنؤ کو ترک کر کے صفی پور کو اپنا مسکن بنایا تو وہاں مرشد برحق مخدوم شاہ خادم صفی محمدی قدس سرہ کی مجلس فیض رساں نے آپ کو بھی باضابطہ ایک صوفی بزرگ بنا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی شاعری پر صوفیانہ افکار و نظریات کی چھاپ ذرا گہری نظر آتی ہے۔

چند اشعار ملاحظہ ہوں:

من تماشائے تو در شکل بتان می بینم
ہمہ اسرار تو در دیدہ و دل می یابم
طاق ابروے تو مسجود ملک می نگرم
کیست معشوق و کہ عاشو ہمہ عشقت
معنی ذات عزیز از صفاتم پیداست
آنچہ در پردہ نہانست عیان می بینم
ہمہ انوار تو در کون و مکان می بینم
جلوہ روے تو در ہر دوجہان می بینم
کاروان باجرس نالہ روان می بینم
جسم را آئینہ صورت جان می بینم

اللہ اللہ ترک ایمان می کنم
من نیم توبہ ازین پندار زشت
می پرستم آن رخ چون آفتاب
رند مستم واعظ از من دور باش
در تصور پیش میدارم رخش
این تپش اللہ اکبر ای عزیز
آنچہ دیندارے نکرد آن می کنم

کافرم خود را مسلمان می کنم
حق پرستان را پشیمان می کنم
ور تو می آئی پریشان می کنم
جسم را از عکس او جان می کنم
چون نگوئی عیدقربان می کنم

ساقیم روز ازل مستانہ کرد
سر نوشت ما خدا ساغر نوشت
آتش مے با دل ما می کند
تا گرفتم جام مے از دست او
مے بہ مینوشان ولایت کے کند
قسمت من خدمت میخانہ کرد
روزی ما بادہ و پیمانہ کرد
شمع روشن آنچہ با پروانہ کرد
غمزہ ساقی مرا دیوانہ کرد
آنچہ با ما جلوہ جانانہ کرد

اسلامی تاریخ میں واقعہ کربلا ایک ایسی کرب ناک داستان ہے جس کے غم سے کسی مومن کا سینہ لمحے بھر کے لیے بے نیاز نہیں ہوسکتا ہے۔ جب بھی، جس وقت بھی اور جہاں بھی اہل بیت اطہار پر ہونے والے مظالم کا ذکر آتا ہے اور شہیدان کربلا کی بات آتی ہے، آنکھیں بہہ پڑتی ہیں، دل افسردہ وغم زدہ ہوجاتا ہے۔ اور جب ولایت علی خان جیسا محب اہل بیت صوفی شاعر اس درد کو محسوس کرتا ہے تو یوں گویا ہوتا ہے:

ہیہات از مصیبت میدان کربلا
ہیہات از جفای شقیان بے ادب
ہیہات از تباہی اولاد فاطمہ
اکبر ہال گشتہ و اصغر ز جان گزشت
ہر آنچہ بود برد بتاراج ہر شقی

مجروح اوفتادہ بہر گوشہ کشتۂ
تن ہا ز زخمہا چو گل تازہ چاک چاک
ہر غار گور شد پیٔ ہر نعش بی لحد
صبر حسین و ظلم یزید سیاہ کار
سبط نبی و ابن علی را شہید کرد
ہیہات از شہادت سلطان کربلا
ہیہات از بلای شہیدان کربلا
ہیہات از حسین و بیابان کربلا
ہیہات از حوادث احزان کربلا
ہیہات از خرابی سامان کربلا
ہیہات از گروہ پریشان کربلا
ہیہات از خزان گلستان کربلا
ہر کشتہ را کفن شدہ دامان کربلا
سنجیدہ شد ز عدل بمیزان کربلا
کافر نکرد آنچہ یزید پلید کرد

ایک ایسے دور میں جہاں فارسی کا مذاق ختم ہو رہا تھا۔ زبان کی نزاکتوں پر لوگوں کی گرفت کم زور پڑ رہی تھی اور فارسی شاعری کو سمجھنے اور سمجھانے والے کم ہوئے جا رہے تھے۔ ولایت نے گوشہ گم نامی میں بیٹھ کر فارسی نظم و نثر کا جو سرمایہ قوم کو دیا ہے اس میں وہ بالکل منفرد نظر آتے ہیں۔ چناں چہ آٹھ فارسی دواوین، گیارہ فارسی مثنویاں اور سات فارسی نثری کتابیں ان کی یادگار ہیں۔ جب کہ چار اردو دواوین، نو اردو نثری کتابیں اور دو عربی تصانیف ان پر مستزاد ہیں۔

ولایت کی فارسی گوئی کی انفرادیت کا اعتراف اس دور کے بہت سے ارباب علم و فن کو تھا جن میں خصوصیت کے ساتھ غالبؔ، حالی اور شبلیؔ سر فہرست ہیں۔ شبلی کے الفاظ ہیں:

"حضور والا! پورے سال بھر سے بیمار ہوں، امید زیست منقطع ہو چکی تھی، تحریری وصیت نامہ ہو چکا تھا، اب ذرا افاقہ ہے۔ اچھا ہو لوں تو آپ کے کلام کی داد دوں۔ اس بیماری میں بھی میں نے اس کو پڑھا اور اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ آج ہندوستان میں کوئی اس طرز کو نباہ نہیں سکتا۔

شبلی نعمانی، اعظم گڑھ"

ولایت کی شعر گوئی اپنی مجموعی فضا، اثر آفرینی اور زبان و بیان کی شگفتگی و روانی میں قدیم اساتذہ سخن سے کسی قدر کم نہیں ہے۔ یہاں بھی وہی بلند فکری، جدت خیالی، معنی آفرینی اور حسن ادا کی جلوہ گری نظر آتی ہے جو قدما کے یہاں پائی جاتی ہے، جیساکہ اوپر دیے گئے اشعار سے واضح ہے۔

بحیثیت انشا پرداز

ولایت علی خان عزیز اللہ عزیز صفی پوری کے اندر شعر گوئی کا پہلا ذوق تو اس وقت پیدا جب وہ اپنے والد بزرگوار کے پاس لکھنؤ کے بیٹھکے میں بیٹھا کرتے تھے۔ لیکن، باضابطہ شعر گوئی شادی کے بعد شروع کی اور پھر اسی کے فوراً بعد نثر نگاری کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس حوالے سے خود ہی لکھتے ہیں:

''عقد کے بعد ایک بار میں آسیون میں تھا۔ میرے ایک محب میرزا احمد میرزا حسین علی کے چھوٹے بھائی کچھ شعر کہہ کر لائے اور مجھ کو سنائے۔ میں نے دو ایک جگہ کہا کہ اس کو یوں کر دو تو صحیح ہو جاوے، اس طرح غلط ہے۔ انھوں نے کہا کہ کیا تم شعر کہتے ہو؟ میں نے کہا کہ کہتا تو نہیں ہوں، مگر سمجھتا ہوں۔ وہ میرے پیچھے پڑے کہ شعر کہو۔ ان کے اصرار سے رغبت پیدا ہوئی اور شعر کہنے لگا۔ چند روز کے بعد کتاب پنج رقعہ دیکھی اور نثر پنج رقعہ ولایت لکھی۔ پہلے جو نثر میں نے لکھی یہی ہے''۔

ولایت نے فارسی نظم گوئی میں مرزا اسد اللہ خان غالب دہلوی کو اپنا استاد بنایا تھا۔ چناں چہ جب پہلی نثر بصورت پنج رقعہ ولایت لکھی تو اسے بھی مرزا غالب کے پاس بغرض اصلاح بھیجی جس پر غالب نے اصلاح کی بجائے داد و تحسین سے نوازا۔ مرزا غالب نے ولایت کے نام خط لکھا:

''خان صاحب عنایت مظہر سلامت! آپ کا مہربانی نامہ آیا۔ اوراق پن رقعہ نظر افروز ہوئے۔ خوشامد فقیر کا شیوہ نہیں۔ نگارش تمھاری پنج رقعہ سابق کی تحریر سے لفظاً و معناً بڑھ کر ہے۔ اُس میں یہ معانی نازک اور الفاظ آبدار کہاں... مود سے مقلد بہتر نکلا یعنی تم نے خوب لکھا۔ ع

نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول

نجات کا طالب: غالب''

جس طرح ولایت کی شاعری کے بڑے بڑے ارباب علم و دانش معترف رہے اسی طرح ان کی نثر کا بھی سبھی نے کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔ چناں چہ ان کے معترفین میں مرزا اسد اللہ خان غالب کے علاوہ مولانا عبد الحق خیر آبادی، محسن کاکوروی، شوق نیموی، الطاف حسین حالی، عزیز لکھنوی اور امیر مینائی کے اسما خصوصیت کے ساتھ لیے جاسکتے ہیں۔

ان کی کتاب ''ارمغان'' سے ان کی فارسی انشا پردازی کی ایک مثال حاضر ہے؛

1- ''آتش سرکش ست و باد آزادہ۔ آب روانست و خاک افتادہ۔ ہریک در پای این دو چراغ کمر بستہ است و بجای خود بر کار آمادہ۔ ابر می شاہد و سبزہ میخواہد۔ لال می رخشند و گوہر می تابد۔ ہریک پرتوی ازین دو آئنہ پیکر یافتہ است۔ و آب و رنگ دگر تافتہ۔

نیرنگیھای این آفتاب گردش چہ پری ھاکہ در شیشہ ندارد۔ ورنگ آمیزیھائی این چنبر درواچہ روز بازیھاکہ بچشم در نمی آرد۔ پرگارۂ بہوش آی۔ وچشم بینا بکشای۔ کہ آب پیکران بزم افروزاند۔ وبخاکیان دانش آموز۔ فرتاب ماہ پرتاب تیر خرامش بریس رامش ناہید چالش بہرام ایوان کیوان شید خرشید مپندار کہ بازیگرانہ بنمایش در آوردہ اند۔ روشنی پرک تابش پرن استواری دواخترگشت ہفت اورنگ پیکر اژدھافیروز کہکشان شوخی ہم پیحہ دست رنگین ہنگ شب آہنگ مینکار کہ بی پردایانہ بسر سری آشکارہ کردہ اند''۔

''ارمغان'' کے حوالے سے الطاف حسین حالی کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

''ارمغان اور نورہان کو میں نے بڑے شوق سے پڑھا اور چونکہ غالب موحوم کے بعد یہ انداز بیان کسی کی نثر و نظم میں نہیں دیکھا تھا۔ ان نظروں کو دیکھ کر بے اختیار زبان سے نکلا کہ ھذا الذی رزقنا من قبل''۔

بحیثیت سیرت نگار

انسانی رشد وہدایت کے لیے بہت سے رہ نما دنیا میں تشریف لائے، لیکن پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفی ﷺ ان میں اس حیثیت سے بھی ممتاز اور نمایاں ہیں کہ آپ کی ذات وہ واحد ذات ہے جن کی زندگی کا ہر پہلو تاریخی شواہد کے ساتھ محفوظ اور روشن ہے۔ کوئی بھی بات یا واقعہ جو آپ کی ذات سے منسوب ہو ایسی نہیں ہے جس کی کوئی مستند سند نہ ہو۔ آپ کی سیرت ایسی پاکیزہ اور جامع ہے جو متلاشیان حق وہدایت کے لیے صراط مستقیم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جتنے لوگوں کی سیرت وسوانح لکھی گئی ہے ان میں سب سے زیادہ پیغمبر اسلام ﷺ پر لکھی گئی ہیں اور وہ بھی دنیا کی مختلف زبانوں میں، مختلف جہتوں سے۔ یہ بھی سیرت رسول علیہ السلام کا ایک اعجاز ہی ہے۔ سیرت نگاروں کی اسی فہرست میں ایک نام ولایت علی خان عزیز اللہ عزیز صفی پوری کا بھی ہے۔ آپ نے سیرت رسول کے حوالے سے اردو زبان میں ایک مختصر کتاب ''ذکر الحبیب'' کے نام سے ۱۳۱۵ھ میں ترتیب دی اور اس کی زبان نہایت سادہ اور عام فہم رکھی تاکہ عوام الناس کے لیے اس کا مطالعہ آسان ہو اور عام لوگ بھی کسی حد تک سیرت رسول ﷺ سے واقف ہو سکیں۔

ہندوستان میں سیرت نگاری کے حوالے سے ایک نمایاں اور بڑا نام علامہ شبلی نعمانی کا آتا ہے جنھوں نے ''سیرۃ النبی'' لکھ کر اہل علم کے ایک بڑے طبقے کو سیرت رسول کی جانب متوجہ کیا۔ لیکن، ان کی کتاب ''سیرت النبی'' پہلی بار ۱۳۳۶ھ میں شائع ہوئی۔ یعنی شبلی کی سیرت النبی سے کوئی ۲۱/ سالوں پہلے ولایت نے سیرت رسول پر ایک کتاب لکھ کر عوام میں سیرت رسول کے حوالے سے دل چسپی پیدا کرنے کی کوشش کی۔

ولایت کی کتاب ''ذکر الحبیب'' ۱۰۲/ صفحات پر مشتمل ہے، جب کہ شبلی کی کتاب ''سیرۃ النبی'' سات ضخیم جلدوں پر مشتمل اور نہایت مفصل ہے۔ ظاہر ہے کہ ۱۰۲/ صفحات میں جامعیت اور اختصار ہی کو ملحوظ رکھا جا سکتا ہے۔ چناں چہ ولایت نے جن مباحث کو درج کیا ہے ان میں نور محمدی کا ظہور، ولادت سرکار علیہ السلام، معراج مصطفی، حضور ﷺ کے اخلاق کریمانہ، حضور اور حضور کی امت کے فضائل پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ سیرت پر کام کرنے والوں نے بھی شبلی سے پہلے کے اس سیرت نگار پر

کوئی توجہ نہ دی۔ حالاں کہ انصاف کا تقاضہ تو یہی تھا کہ جن قلم کاروں نے کم از کم سیرت نگاروں کا تذکرہ کیا ہے وہ انھیں ضرور اس فہرست میں شامل کرتے۔

بحیثیت تذکرہ نگار

دینی، ملی، ادبی، سیاسی اور سماجی معروف و مشہور اور مقتدا شخصیات کے تذکرے لکھنے کا رواج قدیم ترین ہے۔ اصلاً اس کی ابتدا عربی زبان سے ہوئی اور بعد میں فارسی اور دیگر زبانوں میں بھی تذکرے لکھے جانے لگے۔ اردو زبان بھی اس فن سے محروم نہ رہی اور جنوب سے لے کر شمال تک اہل قلم نے خوب خامہ فرسائی کی۔ شعرا و ادبا کے علاوہ خالص صوفیہ کے تذکرے بھی لکھے گئے، اگرچہ کم لکھے گئے۔ ولایت علی خان عزیز اللہ عزیز صفی پوری گو کہ ایک اچھے شاعر، عمدہ نثر نگار تھے، لیکن ان سب کے ساتھ وہ ایک صوفی بزرگ بھی تھے۔ اس لیے ان کے قلم سیال نے صوفیہ کے تذکرے سے بھی اہل ذوق کو متعارف کرایا۔ یوں تو صوفیہ کے تذکروں میں شیخ عبدالرحمن سلمی کی طبقات سلمی اور شیخ فریدالدین عطار کی تذکرۃ الاولیاء کو اولیت کا مقام حاصل ہے جن میں پہلی کتاب عربی، جبکہ دوسری کتاب فارسی میں لکھی گئی تھی۔ اس کے بعد کے ادوار میں مختلف ایسی تصانیف وجود میں آئیں جو صوفی تذکروں پر مشتمل تھیں۔ اسی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے ولایت علی خان نے بھی تقریباً ۵۸/صوفیہ و اولیا کے تذکرے پر مشتمل ''عین الولایت لراح الہدایت'' ترتیب دی جسے مطبع نول کشور لکھنؤ سے ۱۸۹۹ء میں شائع کیا گیا۔ اس تذکرے کی خوبی یہ ہے اسے اس خوش اسلوبی سے تحریر کیا گیا ہے کہ قاری کو کتاب کی قرات سے ہی ایک گونہ صوفیہ سے محبت ہونے لگتی ہے۔ صوفیہ کا اصل کارنامہ لوگوں کے قلوب کو دنیا سے موڑ کر اللہ کی طرف مائل کرنا ہوتا ہے۔ وہ لوگوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے محبت اور احترام کا جذبہ پیدا کرتے ہیں۔ وہ نام و نمود سے دور اخلاص کو اصل سرمایہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے یہاں دنیا طلبی کی بجائے آخرت پسندی کو اصل پونجی سمجھا جاتا ہے۔ صوفیہ چھل کپٹ اور مکر و فریب سے دور محسود بن کر اپنی زندگی گزارنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ کتاب بھی تذکرے کے دوران قارئین پر کچھ ایسا ہی اثر مرتب کرتی ہے۔ اس اعتبار سے تذکروں کی کتابوں کی بھیڑ میں یہ کتاب اپنی ایک منفرد شناخت رکھتی ہے۔ اور تذکرہ نگاری کے فن میں ولایت کے اوج کمال سے لوگوں کو متعارف کراتی ہے۔

بحیثیت سوانح نگار

اپنے احوال و کوائف کو حیطۂ تحریر میں لانے کا رواج بھی قدرے قدیم ہے۔ گو کہ باضابطہ اور مستقل تو نہیں، لیکن کہیں کہیں ضمناً صاحب تحریر اپنی زندگی کے مختلف احوال کو حسب موقع تحریر کر دیتا تھا۔ ہندوستان میں بھی ابتداءاً یہی صورت حال رہی۔ پھر ''بابرنامہ'' سے باضابطہ یہ فن تسلسل اختیار کرتا ہے اور آج تقریباً ہر بڑا شخص اپنی سوانح حیات خود بھی لکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسا نہ صرف عربی، فارسی اور اردو والے کرتے ہیں، بلکہ دنیا کی مختلف، بلکہ تمام زبانوں میں خود نوست سوانح حیات کی ایک لمبی فہرت دیکھنے کو ملتی ہے۔

خود نوست کا ایک نمایاں فائدہ یہ بھی ہے کہ اس میں بہت سے وہ احوال بھی بآسانی درج ہو جاتے ہیں جو شعوری طور پر دوسری تحریروں میں نظر انداز کر دیے جاتے ہیں۔ سوانح یا تذکرہ لکھتے وقت عموماً شخصیات کی خوبیوں اور مثبت چیزوں کو ہی پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ جب کہ خود نوست میں خوبیوں کے ساتھ کمیاں بھی خوب نمایاں ہو کر قارئین کے سامنے آتی ہیں۔ مزید وہ باتیں بھی جو عموماً مخصوص قسم کی ہوتی ہیں اور انسان اسے عام کرنا نہیں چاہتا وہ سب بھی خود نوست کا لاشعوری طور پر ہی سہی، حصہ بن جاتی ہیں۔ جس سے ایک عام اور غیر جانب دار قاری کو کسی بھی شخصیت، اس کے احوال، اس کے زمانے اور ہم عصر لوگوں کو کسی حد تک قریب سے سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔

ولایت علی خان عزیز اللہ عزیز صفی پوری نے بھی اپنی خود نوست لکھی جس میں اپنے آبا و اجداد کے ساتھ اپنے زمانے کے احوال پر بھی خوب روشنی ڈالی ہے۔ اس کتاب سے عہد عزیز اور ان کے خواندان کے علمی، ادبی، تہذیبی اور سیاسی کوائف کو سمجھنے میں قدرے آسانی ہوتی ہے۔ خصوصاً لکھنؤ اور نوابان اودھ کی تاریخ و تہذیب اور ان کا عروج و زوال کا آنکھوں دیکھا حال سامنے آتا ہے۔ ''سوانح اسلاف'' کے نام سے لکھی گئی ولایت کی یہ خود نوست مذکورہ چیزوں کے علاوہ ولادت کی پیدائش سے لے کر تعلیم و تربیت، مناکحت، بیعت و خلافت، شعر و شاعری، نثر نگاری اور اس دور کے ادبا و شعرا سے تعلقات اور ان کا ولایت کی علمی و فنی خوبیوں کا اعتراف سب کچھ عیاں کرتی ہے جس سے ولایت کی شخصیت کا قدرے درست اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ولایت نے ۱۵-۱۴/سال کی چھوٹی سی عمر سے قلم و قرطاس سے رشتہ استوار کیا اور عمر کے آخری پراؤ تک لکھتے رہے۔ آپ کے قلم سیال سے مختلف علوم و فنون پر تقریباً ۴۱-۴۲/کتابیں معرض وجود میں آئیں۔ آپ کی علمی شخصیت کا اعتراف اس دور کے باکمال ادیبوں نے کیا اور آپ کو ''مغتنمات زمانہ'' قرار دیا۔ یہ تحریر آپ کے اندر موجود تمام فنی جہات کا احاطہ تو نہیں کرتی، لیکن آپ کی شخصیت کی مختلف جہتوں کو سمجھنے میں معاون ضرور ہو سکتی ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ ایسی کثیر الجہات علمی اور ادبی شخصیت جنھیں غالب و اقبال اور شبلی و حالی کی طرح باضابطہ درسی نصاب کا حصہ ہونا چاہیے تھا، آج کے ادبی منظر نامے سے کیوں کر غائب ہو گئی؟ پر از سر نو غور کرنے کا ایک موقع مل سکے۔

مراجع

۱- محمد عزیز اللہ شاہ عزیز معروف بہ منشی ولایت علی خان صاحب ولایت، سوانح اسلاف، ادبی پریس، لکھنؤ، ص:۱۱۵

۲- محمد عزیز اللہ شاہ عزیز معروف بہ منشی ولایت علی خان صاحب ولایت، دیوان عزیز، ابوالعلائی پریس، آگرہ، ص:۹۸

۳- محمد عزیز اللہ شاہ عزیز عرف منشی ولایت علی خان صاحب، نعت محبوب، عمدۃ المطابع، لکھنؤ، ص:۲۰

۴- محمد عزیز اللہ شاہ عزیز معروف بہ منشی ولایت علی خان صاحب ولایت، دیوان ولایت، ابوالعلائی اسٹیم پریس، آگرہ، ص:۹۳

۵- محمد عزیز اللہ شاہ عزیز عرف منشی ولایت علی خان صاحب، نعت محبوب، عمدۃ المطابع، لکھنؤ، ص:۴۵-۴۶

۶- محمد عزیز اللہ شاہ عزیز معروف بہ منشی ولایت علی خان صاحب ولایت، سوانح اسلاف، ادبی پریس، لکھنؤ، ص:۱۲۳

۷-السابق، ص:۱۱۶

۸-السابق، ص:۱۲۳

۹-محمد ولایت علی خان، ارمغان، مطبع شام اودھ گولہ گنج، لکھنؤ، ص:۳۰

۱۰-محمد عزیز اللہ شاہ عزیز معروف بہ منشی ولایت علی خان صاحب ولایت، سوانح اسلاف، ادبی پریس، لکھنؤ، ص:۱۲۶

* * *

Tareekh- e- Adab- e Urdu * Quarterly Bilingual Interdisciplinary Research Journal * Peer-Reviewed * تاریخ ادب اردو